MARCH 21 1982

نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو کہ قرآن میں آیا ہے لاتقنطوا

VOL: 6 NO. 6

پندرہ روزہ

EDITOR: Sohail Akhtar

THE MESSENGER

FORTNIGHTLY NEWSPAPER

پیغامبر

اسکاربرو (کنیڈا)

مدیر : سہیل اختر

P.O. Box 2114, Station B, Scarborough, Ont. Canada M1N 2E5 Tel. (416) 282-6671

سیاسی جماعتوں کے متحد ہونے پر انتخابات کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہے گا

تحریر: ایم بی سکندر

وطنِ عزیز آج کل خانہ اوری بنا ہوا ہے تن ہمہ داغ داغ شد والا معاملہ ہے۔ حکومت نے عدم جارحیت کے معاہدہ کی داغ بیل اس لئے ڈالی تھی کہ اندرونِ ملک معاملات کی طرف زیادہ توجہ مبذول کر سکے، بقول راجہ ظفر الحق لیکن معاہدہ کی تکمیل سے قبل ہی حالات معذور خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کا گٹھ جوڑ اب اس عروج پر پہنچ چکا ہے کہ حکومت کے پاس آئندہ چند دنوں میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ وہ ان سے مذاکرات کرے۔ اور انہیں ایک تنظیم کی صورت میں شرف پذیرائی بخشے۔ مسٹر جتوئی کے بیان سے اس اتحاد کو اور بھی تقویت پہنچی ہے انہوں نے جب حکومت کی طرف سے وزارت عظمیٰ کی پیشکش کا اپنے بیان میں ذکر کیا تو لا محالہ یہ سیاسی پارٹیوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ جب حکومت خود اٹھتے بیٹھتے پیپلز پارٹی کی مذمت کرتی ہے اس حد تک تیار ہو گئی تھی تو انہیں اس پارٹی کو گلے لگانے میں کیا امر مانع ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس پیشکش کا تعلق ستمبر ۱۹۸۰ء سے ہے۔ لیکن اس وقت بھی حکومت کی پالیسیوں سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے پیپلز پارٹی کے بارے میں ابھی تک اپنے سابقہ خیالات سے رجوع نہیں کیا ہے۔ مسٹر جتوئی کی الذوالفقار اور اس کی دہشت پسندی کی کارروائیوں سے اظہار لاتعلقی نے عوام میں پیپلز پارٹی کی راہ اور بھی ہموار کر دی ہے اس لئے اگر مجوزہ اتحاد میں پیپلز پارٹی ایک اہم کردار ادا کرے تو عوام کو اس پر چنداں اعتراض نہ ہوگا۔ اس لئے صدر ضیاء الحق کے لئے ان سیاسی عناصر کے ساتھ ایک میز پر مذاکرات کرنا ایک انتہائی ناخوشگوار فرض ثابت ہوگا۔ بعینہٖ جس طرح جنرل ایوب مرحوم کے لئے ہوا تھا۔ انہی پارٹیوں میں جماعت اسلامی کی شمولیت موجودہ حکومت کے لئے ایک "کریلا اور نیم چڑھا" ثابت ہو گی۔ کیونکہ امیر جماعت اسلامی کہہ چکے ہیں کہ "اگر ہم چاہیں تو موجودہ حکومت کو پندرہ دن میں چلتا کر دیں"۔ لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم کسی تحریک میں شامل نہ ہوں گے۔ بلکہ مجوزہ اتحاد کب تحریک چلانے کے حق میں ہے۔ وہ تو پر امن ذرائع سے موجودہ حکومت کو انتقال اقتدار پر مجبور کرنا چاہتا ہے اور اب اس اتحاد کی کامیابی کے سو فیصدی آثار نظر آنے لگے ہیں۔ مثلاً حکومت کے دو صوبے درد سر یعنی بلدیاتی کونسلروں کے استعفیٰ دینے کی موجودہ لہر کو ہی دیکھ لیجئے اگر کالعدم سیاسی پارٹیاں پبلک کی وساطت سے کونسلروں کی اکثریت کو اس بات پر آمادہ کر لیں کہ وہ اپنے مناصب سے دستبردار ہو جائیں تو حکومت کو انتخابات پر

آمادہ ہونے بغیر نہ بن پڑے گی۔ اگرچہ دیہاتی حلقوں میں استعفیٰ کی لہر کی پذیرائی مشکل ہے لیکن سیاست کا رخ تو شہر ہی متعین کرتے ہیں۔ اور پھر ان کونسلروں کے پاس اس احتجاج کی کافی وجوہ بھی موجود ہے کیونکہ حکومت کے ادعا کے مطابق بلدیاتی نظام کو نوکر شاہی سے آزاد رہ کر کام کرنا تھا جب کہ آج صورت حال یہ ہے کہ وہ نوکر شاہی کے اس طرح سے ماتحت ہو کر رہ گئے ہیں جس طرح سرکاری اہلکار کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور اے سی صاحبان ان کے خلاف جیسی بھی کارروائی چاہیں کر سکتے ہیں۔ اگر کالعدم سیاسی پارٹیاں اس پوزیشن سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو ہینگ پھٹکڑی لگے بغیر رنگ چوکھا آ سکتا ہے حال ہی میں حیدر آباد میں اہم کونسلروں نے بطور احتجاج اجتماعی استعفیٰ داخل دیا ہے۔ اور مجلس شوریٰ کے کونسلروں اور بلدیاتی کونسلروں کی چند مقامات پر حالیہ کش مکش اس ناراضگی میں اور اضافہ کا باعث بنی ہے۔ اگرچہ حکومت کونسلروں کی اس روش کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہی لیکن اگر اس میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا تو اس طرف فوری توجہ دینی ہی پڑے گی پنجاب کے ایک

ہم چاہیں تو موجودہ حکومت کو پندرہ دن میں چلتا کر دیں

صوبائی وزیر کے ایک بیان کے مطابق قبائلی علاقوں کے یہ استعفیٰ عارضی ہیں۔ ولیمن ع[illegible] میں انتشار کا موجب تیسرا عنوان فرقہ احمدیہ کی عبوری آئین کی رو سے ان کی دینی پوزیشن ہے۔ اگرچہ حکومت نے مقدور بھر نقصان کا ازالہ کرنے اور ترامیم کے ذریعے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے لیکن دینی جماعتیں اس وضاحت سے مطمئن نہیں۔ خاص طور پر یہ سمجھا ہیں کہ فرقہ احمدیہ کو بدین میں ایک بڑا قطعہ اراضی دینے کے الزامات بھی حکومت پر لگائے جا رہے ہیں۔

آئین میں انہی ترامیم اور عبوری آئین کے نفاذ (۲۴ مارچ ۱۹۸۱ء) سے آئین ۱۹۷۳ء کے وجود و عدم وجود کا مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی قومیت کے فتنے کو بھی پھر ہوا دی جا رہی ہے۔ بلوچستان اور سرحد میں نوجوان نسل قومیت کے مسئلے کو خاص طور پر اچھال رہی ہے اور مفاد پرست بلوچ قیادت اس کی سرپرستی کر رہی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ مشرقی پاکستان محض اسی نوجوان نسل

کی خود سری، سرکشی اور غلط قیادت کی وجہ سے ہم سے الگ ہوا تھا اب بھی سرحد اور بلوچستان میں ایسے ہی حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں نوجوانوں نے متعصب ہندو پروفیسروں کی تربیت کے زیر اثر بزرگ نسل کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ عجیب کو ووٹ دیں۔ حالانکہ اس بزرگ نسل کو اس کا اچھی طرح سے علم تھا کہ یہ سب کچھ علیحدگی کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اب بھی بلوچستان میں وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے اور ا زندہ باد، سردار جنرل ارورا زندہ باد کے نعرے ۱۹۷۱ء میں لگائے تھے۔ اس لئے اگر قومیت کے فتنے کا متحد ہو کر مقابلہ نہ کیا گیا تو اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے بلوچ اور سرحد کے قومی اسمبلی کے ووٹ مشرقی پاکستان کی اکثریتی ووٹوں کے برعکس اقلیت میں ہیں۔ ورنہ نہ معلوم اب تک کیا کچھ ہو چکا ہوتا۔ پچھلی حکومت نے بھی مشرقی پاکستان کا تصفیہ فوجی طاقت کے ذریعے سلجھانے کی کوشش کی تھی۔ اور سابقہ حکومت نے بھی بلوچستان میں طاقت کے ذرائع استعمال کر کے دیکھ لئے۔ ان معاملات کا صحیح حل صرف سیاسی مذاکرات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسی اقلیت کی وجہ سے بلوچ قیادت اس مسئلہ کو آئینی طریقے سے حل کرنے پر آمادہ ہے اور ان کی یہ آمادگی قومیت کے مسئلے کے حل کے لئے غنیمت ہے۔ اس لئے اس پوزیشن سے فائدہ اٹھانا از حد ضروری ہے۔ نیا مجوزہ اتحاد محض حکومت کے خلاف ایک ہال کے لئے بلوچ قیادت کو مراعات دینے پر تیار نظر آتا ہے خود مختاری کی ان مراعات میں کمی صرف حکومت اپنے اختیارات اور صاحب اقتدار ہونے کی وجہ سے کرا سکتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں بھی مسلمان ووٹروں کی ایک بھاری تعداد علیحدگی کے خلاف تھی انتخابات میں صرف ۴۰ فیصد ووٹ پڑے جس میں سے ۲۰ فیصد ووٹ جماعت اسلامی نے لے لئے اور ۴۲ فیصد عوامی لیگ نے۔ ان ۴۲ فیصد میں ۴۰ فیصد ہندو ووٹرز کے ووٹ تھے۔ گویا یہ اقلیت ہی اس سارے خلفشار کا باعث بنی۔ ڈر ہے کہ اگر ایک ایسی ہی اقلیت سرحد اور بلوچستان میں بھی فعال ہو گئی تو وطنِ عزیز کے لئے ایک اور مشکل پیدا ہو جائے گی اس لئے مجوزہ اتحاد کے تشکیل پانے کی صورت میں حکومت کے لئے انتخابات کرائے بغیر چارہ نہ ہوگا خاص طور پر جب سرحدوں پر سنگین حالات ہونے کی وجہ سے انتخابات کی ضرورت اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ بھارت سے عدم جارحیت کے معاہدوں کے باوجود مشرقی سرحد پر سنگینی میں کمی نہیں آئے گی کیونکہ بھارت معاہدہ کی حامی بھرنے کے باوجود جنگی تیاریوں اور اہتمام طراز کا حسب سابق سرگرم ہے اور مغربی سرحد پر جو خطرات موجود ہیں وہ پوری دنیا پر روشن ہیں۔

امریکی امداد کا معاملہ بھی اب غیر یقینی ہو گیا ہے کیونکہ کانگریس کی حقوق انسانی کی کمیٹی نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ روس تو ایک طرف الٹا امریکہ کا کوئی حلیف بھی [illegible] کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی امداد روک دی جائے گی۔ اب جبکہ ایک طرف امریکہ [illegible] اور اہم ترین پاکستان کے تمام لگ رہی ہے جس کی

آپ کسی وقت بھی لی جا سکتی ہے۔ امریکہ پاکستان کا خیر خواہ تو صرف اس وقت تک ہے جب تک پولینڈ کا مسئلہ یورپ میں موجود ہے۔ بار روس ہلسنکی کے معاہدہ پر عمل درآمد نہیں کرتا جونہی یورپ میں حالات ٹھیک ہوئے یا روس اور امریکہ کے درمیان دیتانت کا عمل پھر سے شروع ہوا، امریکہ کی نظروں میں پاکستان کی اہمیت کم ہو جائے گی [illegible] اپنی طاقت [illegible] جنگجویانہ خارجہ پالیسی کی وجہ سے [illegible] حلقوں میں بھی روز بروز غیر مقبول ہو رہے ہیں۔ جنرل ہیگ نے تو حال ہی میں [illegible] اور روس کے وزیر خارجہ گرومیکو سے جلا کی کیا جس میٹنگ میں یہ واقعہ پیش آیا اس کی کارروائی کے منکشف ہو جانے کی وجہ سے امریکہ [illegible] بوکھلا اٹھی ہے۔ اس لئے پاکستان کے لئے صحیح اور مناسب راستہ اپنے اندرونی حالات کی فوری اصلاح ہے جس کا واحد طریقہ سیاسی پارٹیوں سے مذاکرات ہیں۔ جب موجودہ سیاسی حالات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے

حکومت اور سیاست کا "ٹیسٹ میچ" زور شور سے جاری ہے

لیکن راقم الحروف کا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ پاکستان اور صدر مملکت جنرل ضیاء الحق کے ستاروں میں ایک خاص ہم آہنگی ہے۔ گزشتہ چار سالوں میں پاکستان پر ابتلا کے جو دور آئے ہیں اور جس جس بحران سے ملک کو دوچار ہونا پڑا ہے وہ تحت ہونے کے باوجود وقتی ثابت ہوئے اپریل ۱۹۸۰ء میں جنرل ضیاء الحق نے امریکی نامہ نگار جان میرن کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا میں ایک اچھا شخص بھی ہو سکتا ہوں اور گمراہ کار بھی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی شخص سے کوئی اچھا کام ہو جائے اور ایک مثالی صورت حال پیدا ہو جائے یعنی وہ اسلام کو اس کی اصل شکل میں نافذ کر سکے تو یہ ایک اچھی بات ہوگی۔ یہی میرا مشن بھی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی غیبی ہاتھ میری مدد کر رہا ہے میں ایک سپاہی ہوں اور تقدیر کا بہت قائل ہوں شاید خدا نے مجھے اس کام کے لئے چنا ہے اور اگر اس نے مجھے طاقت بخشی تو میں یہ کام خدا کی قسم ضرور کروں گا۔" (اشاعت ۱۵ اپریل ۱۹۸۰ء) اس دوران میں جن جن بحرانوں سے اس دور میں یہ حکومت گزری ہے اور جس طرح اس کی غیبی مدد ہوتی رہی ہے اس سے صدر مملکت کے ان الفاظ کی صداقت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ دور نہ جایئے ۱۹۸۱ء کے حالات پر نظر رکھیں کہ ۶ فروری ۱۹۸۱ء کو تحریک بحالی جمہوریت کی کراچی میں بنیاد پڑی۔ وکلاء نے حکومت کے خلاف کنونشن بلائے جلوس نکالنے کے پروگرام بنائے اور اچانک مارچ ۱۹۸۱ء میں طیارہ کے اغوا کا واقعہ پیش آ گیا اور مخالفین کا سب کیا دھرا رہ گیا۔ اس واقعہ سے پیپلز پارٹی

"گرفتار شدگان کی تعداد دس ہزار ہے"۔ نورانی

"نہیں گرفتار ہونیوالے سماج دشمن عناصر کی تعداد دو ہزار ہے" صدر ضیاء

تاریخ اپنے آپ کو دہرانے پر کمربستہ ہے۔ صدر ایوب مرحوم کے دور میں اس کے وزیر خارجہ نے استعفیٰ دیا جو بقول خود ایوب مرحوم کے دست راست تھے۔ اب جنرل ضیاء الحق صاحب کے دست راست بھی مستعفی ہو چکے ہیں۔ اس وقت بھی صدر ایوب مرحوم گول میز کانفرنس کے لئے کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے سیاستدانوں کو برابر کے برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے چنانچہ ان کے خلاف ایک اتحاد معرض وجود میں آیا اور انہیں مذاکرات کی میز پر آنا پڑا۔ اب صدر مملکت بھی گول میز کانفرنس کرنے اور سب سیاستدانوں سے اتحاد کی صورت میں مذاکرات کرنے سے انکاری ہیں چنانچہ ان کو قائل کرنے کے لئے ایک نیا اتحاد معرض وجود میں آ رہا ہے جو شاید صدر مملکت کو مذاکرات پر تو آمادہ کر لے لیکن اس کے بعد کے نتائج کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ خدا کرے کہ یہاں تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے کیونکہ صدر ایوب نے قوم پر ایک نیا مارشل لاء مسلط کر دیا تھا لیکن ایسا ہونا نا ممکن بھی نہیں کیونکہ میاں محمد طفیل امیر جماعت اسلامی نے اپنے ایک حالیہ بیان میں فرمایا ہے۔ اور یہ حکومت کے قریب کے واسطے سے ہے [illegible] میں بوڑھے مارشل [illegible] کی جگہ ایک نوجوان مارشل لاء [illegible] ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ [illegible] اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ کر سکے گی [illegible] اس نقطے سے کام شروع کرنا قبول کرے گی جیسا کہ اس نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو کیا تھا کہ سرحدوں پر جو خطرات اس وقت موجود ہیں وہ سرحدوں تک محدود نہیں رہیں گے کیونکہ جولائی ۱۹۷۷ء میں سرحدوں پر یہ خطرات موجود ہی نہیں تھے اور فوج کو صرف اندرونی عدم استحکام سے نبرد آزما ہونا تھا۔

کی ساکھ کو سخت نقصان پہنچا اور یہی پارٹی ایم آر ڈی کی اہم پارٹی تھی۔ پھر ذرا مخالفین نے ہوش سنبھالا تو انہی دہشت پسندوں کے ہاتھوں چوہدری ظہور الٰہی شہید ہو گئے اور یوں مخالفین خود بخود تتر بتر ہو گئے ان دونوں واقعات نے حسب علاج نہ سہی بعض عوارض کے تحت ہی سہی حکومت کے ہاتھوں کو اور مضبوط کر دیا۔ اب جب کہ حزب مخالف ایک دفعہ پھر متحد ہو کر سامنے آنے لگی تھی تو قرآن کریم کی بے حرمتی کا واقعہ پیش آ گیا ہے جس میں الذوالفقار کے ملوث ہونے کی وجہ سے حزب مخالف کے وقار کو ایک دفعہ پھر زک پہنچی ہے۔ لیکن اس دفعہ پبلک کی طرف سے انتخابات کے لئے دباؤ اتنا شدید ہے کہ حکومت کو اس بارہ میں کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ اور حالات کی ناسازگاری کا عذر قابل اعتبار نہ سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اب خود دینی حلقوں کی طرف سے بھی نظام اسلام کے نفاذ کی سابقہ کوششوں اور آئندہ کے پروگرام کو محض اقتدار کو طول دینے کی کوششوں پر محمول کیا جا رہا ہے۔ اب انتخابات کو مزید التواء میں نہیں ڈالا جا سکتا چاہے وہ کسی شکل میں کرائے جائیں اگر حکومت واقعی اپنی انا کو برقرار رکھتے ہوئے سیاستدانوں کو جن کی وہ ماضی میں سخت مذمت کرتی رہی ہے منہ نہیں لگانا چاہتی اور محض اس وجہ سے ان کے متحدہ محاذ سے ایک میز پر بیٹھ کر گفتگو نہیں کرنا چاہتی کہ اسے ان کی متحدہ آواز کا ڈر ہے تو وہ مجلس شوریٰ کے اگلے اجلاس میں خود مجلس شوریٰ سے انتخابات کرائے جانے کی قرارداد پاس کرا دے اس سے مجلس شوریٰ اور خود جنرل ضیاء کے وقار

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

نظم

دور اک گاؤں میں
چاند کی چھاؤں میں
سبز کھیتوں کے دامن میں
دو دل ملے
عہد و پیماں ہوئے۔ اور گجرے بندھے
چاند تکتا رہا۔ مسکراتا رہا
پھر چلی ایک آندھی
بڑے زور کی ۔۔۔ اور
کھیتوں کی ہریالی مرجھا گئی
پیار گاؤں میں۔ بادلوں کے تلے
کچھ اندھیرا سا تھا
جب ذرا سا وہ بادل
پرے ہٹ گیا
دو لوں قبروں کے کتبے چمکنے لگے
چاند تکتا رہا
اور ۔۔۔ دھندلا گیا ۔۔۔

★ ـــــ ارشاد

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی" پروفیسر نے ریسیور اٹھایا۔ بیوی گھبرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی "غضب ہو گیا، نعیم نے سوئی نگل لی ہے فوراً آ جایئے"

پروفیسر: "بیگم! میں اس وقت کلاس لے رہا ہوں، کوئی دس منٹ بعد آؤں گا"

بیوی: "کلاس جائے بھاڑ میں، معاملے کی نزاکت کو سمجھئے اور فوراً آ جایئے"

پروفیسر: "کیا تمہیں سلائی کرنی ہے؟"

پیغامبر

THE MESSENGER

SOHAIL AKHTAR Tel. (416) 267 8006

جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

۲۱ مارچ ۱۹۸۲ء



ملک گلزار حسین ——

تین چیزیں انسان کو ذلیل کرتی ہیں۔ چوری، چغلی، جھوٹ۔

تین چیزیں اصل مقصد سے روکتی ہیں۔ بدچلنی، غصہ، طمع۔

تین چیزیں یاد رکھنا ضروری ہوتی ہیں۔ سچائی، فرائض، موت۔

خالد ——

تم خدا نہیں تھیں لیکن خدا کی طرح مجھ سے قریب تھیں۔ میں اکثر سوچتا تھا کہ تم اگر پاس ہو تو دنیا میں کوئی غم نہیں ہے۔ تم زندگی میں اس طرح آئیں جیسے رات کی خاموشی، اداس تنہائی میں پھولوں کی خوشبو، جسے چھینے اور دل میں چھپا کر رکھنے کا پاگل پن ہوا۔ بھلا خوشبو بھی کبھی قید ہو سکتی ہے؟

فراز ——

حق تعالیٰ سے دوستی کی علامت یہ ہے کہ رنج و عطا اس کے سامنے برابر ہوں۔

دین کی اصل عقل، عقل کی اصل علم اور علم کی اصل صبر ہے۔

عالم بدخو کی صحبت سے فاسق خوش خلق کی صحبت بدرجہا بہتر ہے۔

بشیر فاروقی ——

محنت کرنے والے کے گھر میں فاقہ کشی باہر سے جھانکتی ہے اندر نہیں آ سکتی۔

دولت مند بننے کے لئے راز یہ ہے کہ انسان جتنا کمائے اس سے کم خرچ کرے۔

اگر تم اپنے راز دشمن سے چھپا کر رکھنا چاہتے ہو تو اپنے کسی دوست سے ان کا ذکر نہ کرو۔

ایم صادق ملک ——

دوستوں کے حال میں تمام دوست شریک رہیں۔ دوستی میں شبہ زہر ہے۔

احساس دعوت عمل ہے اور عمل راہ ہے جو عامل کو منزل مقصود سے مزید روشناس کرتی ہے۔

مرد کا امتحان عورت سے، عورت کا روپے سے ہوتا ہے۔ اس بات کا خیال کر کہ خیال نامردی کا خیال بھی تیرے دل میں نہ گزرے۔

ایم یوسف ——

انسان اپنی شخصیت کو اتنا گہرا کرے کہ کوئی اس کے اندر کا حال نہ جان سکے۔ اسے اپنی تلخیاں صرف اپنے تک ہی محدود رکھنی چاہئیں۔

راشد یونس ——

بدنصیب ہیں وہ جنہوں نے ماں کی قدر نہ کی جو ماں کے نافرمان ہوئے لہٰذا اس کی تذلیل کا باعث بنے۔ کاش وہ یہ بھی سوچ لیا کریں کہ اس نے ان کو کس قدر کرب و اذیت سہہ کر جنم دیا اور کتنی مشکلات اٹھا کر پالا پوسا۔

ایم صادق ملک ——

ایک بہت بڑی خواہش میرے دل میں پنہاں تھی۔ میں نے اس کے حصول کے لئے بے انتہا جد و جہد کی اور اس کی تکمیل کے لئے بارگاہ ایزدی میں خلوص دل سے دعا مانگی... لیکن وہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ مجھے بے انتہا دکھ ہوا مگر... میں نے صبر کر لیا یہ سوچ کر کہ اس کے نہ پورے ہونے میں مصلحت تھی۔ پھر ایک نئی خواہش نے جنم لیا... میں نے دامن کو ایک بار پھر پھیلا دیا، نیک نیت اور جد و جہد کے ساتھ.... اس لئے کہ جد و جہد میں کامیابی کا راز مضمر ہے۔

اے قیوم ——

انسان بھی کیا چیز ہے جب سمٹتا ہے تو اپنے وجود کے اندر چلا جاتا ہے اور جب پھیلتا ہے تو ساری کائنات کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

اصغر حبشی ——

مجرمانہ ذہنیت کے دماغ سوتے نہیں، اپنے دل کا راز گمنام پرچے بھیج کر بتاتے ہیں۔

سچی باتیں

(از مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم)

راجپوتانہ کے ملک میں ایک قدیم خود مختار ریاست سروہی کی ہے۔ راجپوتوں کا چوہان خاندان حکمران، وسیع لیکن زیادہ تر غیر آباد رقبہ، قریب دو لاکھ کی آبادی، ۱۵ ضرب توپ کی سلامی۔ ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء کو ہندوستان کی ایک غیر مسلم مشہور خبر رساں ایجنسی خبر دیتی ہے کہ مہاراج نے ۵۹ سال کی عمر میں کل ۲۳ جنوری کو وفات پائی۔ اہلکاران ریاست چاہتے تھے کہ جلانے پھونکنے کے لیے ہندو مذہب کے مطابق نعش کو سروہی لے جائیں لیکن متوفی کا وصیت نامہ نکل آیا، اس میں یہ درج تھا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میری تجہیز و تکفین مسلمانوں کی طرح ہو۔ نعش اسی بحث و گفتگو میں کل سے آج تک پڑی رہی اور آج دہلی میں بالآخر مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن کی گئی ——

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفر لہ وارحمہ

واقعہ اپنی نوعیت میں بالکل انوکھا اور بے مثال نہیں۔ ملتی جلتی صورتیں اور بھی پیش آتی رہتی ہیں۔ مولانا تھانوی، مولانا محمد قاسم (بانی دار العلوم دیوبند) کے حوالہ سے روایت فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار خواب میں اپنے وطن کے ایک مہاجن (ساہوکار) کو جنت میں دیکھا، حیرت ہوئی۔ خواب ہی میں میں نے اس سے پوچھا کہ تم ہندو تھے، یہ تو جنت ہے، تم یہاں کیسے؟ اس نے جواب دیا میاں صاحب آپ لوگوں کو پتہ نہ چلا، میں نے اسلام قبول کر لیا تھا، مسلمان ہو کر ہی جنت پہنچا ہوں —— حکیم عبدالکریم خاں رحیم (ایڈیٹر شرق گورکھپور) روایت ایک عرب کے حوالہ سے بیان کرتے تھے کہ ان کو جنت کا نظارہ ہوا اور اسی میں انھوں نے ایک محل منشی نول کشور (ہندی مالک مطبع نول کشور) کا دکھایا گیا۔ منشی جی اس وقت زندہ تھے۔ عرب صاحب یہ خواب دیکھ کر ان کی زیارت کے خاطر ہندوستان (لکھنؤ) آئے۔ منشی جی تھے تو مسلمان علماء و صالحین کے بڑے ہی معتقد و خدمت گزار اور اشاعت قرآن و علوم قرآن کے عاشق، کلام مجید وغیرہ کی طباعت کا کام صرف مسلمان پرہیزگاروں سے لیتے اور انھیں بھی باقاعدہ وضو کرا کر۔ عجب کیا جو در پردہ قبول اسلام کر کے مورد الطاف ہو چکے ہوں۔

مسلمان کی موت بھی کیسی قابل رشک موت ہوتی ہے! زندگی تو خیر مومن و کافر سب کی ایک موٹی ظاہری یکسانیت کے ساتھ کٹ جاتی ہے اور جو آنکھیں صرف سطحی نظر رکھتی ہیں انھیں دونوں زندگیوں کے درمیان کوئی خاص فرق ہی نظر نہیں آتا، لیکن مسلمان کی موت تو ایک نمایاں امتیاز رکھتی ہے۔ کیسے خوش قسمت ہیں وہ انسان جو دنیا میں جس طرح بھی جیے لیکن بہرحال رخصت ہوئے اللہ کے علم میں مسلمان ہی ہو کر، ان کی روح اس کی شہادت دیتی ہوئی، ان کی زبان اس کے نام کا کلمہ پڑھتی ہوئی!

شبنم کی موت

بہت دن ہوئے کسی نے پتے پہ شبنم کا نازک و حسین قطرہ دیکھا —— شبنم کا قطرہ —— ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی آسمان کی پاکیزگی لیے اترا ہو اور محو رقص ہو —— لیکن پُر فریب دنیا کے بھیانک چہرے پر سکوں کی جھنکار کی چمک ایسی چمکی کہ اختتام رقص سے پہلے ہی شبنم نے دم توڑ دیا —— وہ دیکھتا رہا —— وہ دیکھتا رہا —— عمارت جل رہی تھی —— فضا نے دھوؤں کا لبادہ اوڑھ لیا —— چیخ بڑھتی چلی گئی —— نسوانیت چلا اٹھی، زندگی سے پُر خطر موڑ سے بے پرواہ ہو کر —— شبنم کی موت۔ آگ، دھواں، نسوانیت کی چیخ —— وہ دیکھتا رہا —— اس نے دیکھا —— بھائی بھائی کا دشمن ہے۔ اولاد والدین کی عزت خاک میں ملا رہے ہیں۔ ہتھوڑے چلانے والے قلم کو تھامے ادیب کا لیبل لگا رہے ہیں۔ قتل عام جاری ہے، وہ بھی معصوم بچوں کا —— پولیس چھاپہ مار رہی ہے —— ہم ایشیائی لوگ نظریں جھکا کر چلے رہے ہیں —— قتل بچہ کا نہیں ہوا —— آگ کے طوفان میں نسوانیت کی چیخ نہیں تھی —— عدالت عالیہ کے وقار کو دھکا نہیں لگا —— وہ دیکھتا رہا —— پھر چلا اٹھا —— یہ ہماری موت ہے —— یہ ایشیائی لوگوں کے وقار کی موت ہے —— انداز مختلف ہے —— ادا اور ہے۔ شاید نظر فریب کھا گئی —— احساس دم توڑ گیا۔

اس ہفتے کا منتخب افسانہ



فرشتہ

اس فرشتہ صفت انسان کا افسانہ
جس کے جسم پر فرض کی وردی اور
اگرد ظلم و تشدد کے اندھیرے تھے

نسلی فسادات کا ہونا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والی جھڑپیں معمول بن چکی تھیں ملک کے دیگر شہروں میں بسنے والے مسلمانوں کی طرح اس شہر کے مسلمانوں کا بھی بس یہی جرم تھا کہ تحریک پاکستان کے وقت یہاں کے مسلمانوں نے قیام پاکستان کی حمایت کی تھی۔ سو اس بنیاد پر یہ خونی ہنگامے وقتاً فوقتاً ہوتے ہی رہتے تھے۔

— مگر — اس دفعہ تو یوں لگتا تھا جیسے ہنگاموں کا یہ طوفان کبھی نہیں تھمے گا۔ شہر کی ہر سڑک پر پھیلے ہوئے انسانی خون کے سرخ دھبے انسانی تقدس کے ملیامیٹ ہونے کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ پورے شہر میں ایک کہرام تھا۔ آگ، لوٹ مار، کرفیو، لیڈروں کے بیانات، زخمیوں کی مرہم پٹی، مُردوں کا کفن، سرکاری انتظامیہ کے متضاد بیانات — جلسے، جلوس، توڑ پھوڑ، لمبے لمبے نعرے، پھر ویران سڑکیں، اداس محلے، جلتے ہوئے گھر، بھاگتے لوگ، پھیلتا ہوا دھواں، فضا میں خوف و ہراس، پولیس کے جوانوں کا گشت، بھر آوازوں کا شور، پھر یک لخت خاموشی، ویرانی، کرفیو وغیرہ وغیرہ۔

کل تک جو گلیاں زندگی کی رونقوں سے لبریز تھیں۔ جن چوراہوں پر زندگی کے حسن سے بھرپور قہقہوں کا راج تھا۔ جو محلے سکون کی شادابیوں سے شاد و آباد تھے۔ آج وہ سب کسی آفت زدہ شہر کا منظر پیش کر رہے تھے۔ ایک دو دن کی بات ہوتی تو کچھ نہ تھا مگر یہ سلسلہ تو اس طرح بڑھتا اور پھیلتا جا رہا تھا کہ لگتا تھا کوئی بڑی قیامت آنے والی ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کب حالات تبدیل ہوں گے!

سب ایک دوسرے سے پوچھتے کہ اب کیا ہوگا! ہر چہرہ سوالیہ نشان بن گیا تھا ہر روز ایک نئی حقیقت ایک نیا فسانہ سننے کو ملتا۔ لوگ آٹا، چاول، دال کے حصول کے لئے پریشان اور سرگرداں تھے۔ ایسے میں کوئی انہیں خیرات کیا دیتا؟ اور وہ جس کا شوہر جب سے بیلدار ہوا تھا اس نے خود کو برگد کے ایک بوڑھے پیڑ کے نیچے بیٹھا پایا تھا۔ بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے اور تن ڈھانپتے دیکھا تھا۔ اس نئی صورتحال سے بہت پریشان تھی اور اب تو کئی دنوں سے فاقوں کے بھوت اس کے گرد رقص کرنے لگے تھے۔ ذرا دیر کو کرفیو کا وقفہ ہوتا تو آدمیوں کا سیلاب بازاروں میں امڈ آتا۔ لوگ جلدی جلدی ضرورت کی چیزیں خریدتے اور سائرن کی آواز سے پہلے پہلے روپوش

ہو جاتے — بابو جی — بابو جی — بابو جی خیرات دے دو۔ تمہارا سہاگ اللہ قائم رکھے بہن جی، بھائی جی اللہ تمہیں کامیاب کرے۔ بابو تمہارے بچے جئیں — بابو جی۔

بابو — کرفیو کے وقفے والے اس ہنگامے میں اسے خود اپنی آواز اجنبی معلوم ہوتی۔ کرفیو کے ختم ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ ایک جگہ لوگوں کا ہجوم جمع تھا، ایک نوجوان پرجوش انداز میں چیخ رہا تھا۔ ہم ظلم اور ناانصافی کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ مذہب کے نام پر انسانی جانوں کی ہلاکت کا یہ تماشہ اب ختم ہو کر رہے گا۔ ہم صدیوں سے یہاں رہتے ہیں۔ ہندوستان کی زمین ہندوؤں کی جاگیر نہیں۔ اس زمین کی حرمت ہمیں ماں سے زیادہ عزیز ہے اس پر ہمارا بھی اتنا حق ہے جتنا دوسروں کا — ہارن کی آواز ابھری اور مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ اس نے سوچا — مجمع سے کسی نے نہیں پوچھا کسی نے نہیں بتایا کہ روٹی کب ملے گی — اب تو بھوک نے میرے پیٹ میں زخم ڈال دیئے ہیں۔

ویرانی پھیلنا شروع ہوئی وہ پیڑ کے نیچے بیٹھی سوچ رہی تھی — کچھ ہی دن پہلے کی تو بات ہے۔ زندگی کتنے مزے میں گزر رہی تھی۔ اب تو وہ لوگ بھی نہیں دکھتے جو صبح و شام للچائی نظروں سے اسے تکتے تھے۔ میلی نظروں کی سلگتی آنچ اس کے بدن پر پھیلتی تو وہ اپنے آپ میں سمٹنے کی ناکام کوشش کرتی۔ پھر جب تکتے میں اگر ایسے لوگوں کو وہ ننگی ننگی گالیاں بکتی تو کچھ تو ڈھٹائی کے ساتھ بے ہودہ زبان بھرتے۔ کچھ جیسی شکال کر [illegible] دیا کرتے اور کچھ خاموشی کے ساتھ اس کے کٹورے میں چند سکے اچھال کر اپنی راہ لیتے۔ مگر اب یہ ساری باتیں اسے خواب لگتی تھیں —

اس شام بھی کرفیو کا وقفہ ختم ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ اس نے دیکھا وہی فرشتہ نما آدمی جو اکثر اسے روٹیاں دیتا تھا۔ خیرات دیتا اور اچھی اچھی باتیں کیا کرتا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اگلی کا موڑ عبور کر رہا تھا۔ وہ اٹھی اور لپک کر فرشتہ نما کا دامن تھام لیا۔ مجھے بھوک لگی ہے اس نے روندے ہوئے لہجے میں کہا — کھانا کھاؤ گی —

شفیق چہرے والے ہمدرد انسان نے کہا — ہاں — وہ اشارے سے بولی۔

آ میرے ساتھ — وہ پیچھے چل دی۔ بھوک نے اس کے پیروں سے چلنے کی قوت چھین لی تھی اور پیٹ میں جیسے آگ کا گولا گردش کر رہا تھا۔ پھر بھی وہ چل رہی تھی۔ اس فرشتہ نما شخص کے پیچھے جس کی عظمت کا اس پر گہرا اثر تھا کہ یہ شخص جب بھی بازار سے گزرتا تو وہ بیڑی والے خوانچے والے غرض ہر شخص ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کیا کرتا۔

مختلف سڑکوں اور ٹیڑھی میڑھی گلیوں سے گزرنے کے بعد — وہ اینٹوں کی بنی ایک چار دیواری میں داخل ہوا — اب وہ ایک خالی میدان سے گزر رہا تھا — اور اب وہ دونوں ایک بند دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ فرشتہ نما نے بڑھ کر تالا کھولا — بیٹھ جا — میٹھی آواز میں انسانی ہمدردی کا رچاؤ تھا۔ اس کے آگے روٹیوں کی چنگیر اور بھرے سالن کی پلیٹ رکھی تھی۔ وہ اس طرح روٹی توڑ کر کھا رہی تھی جیسے آج کے بعد اسے کبھی بھوک نہیں لگے گی — پانی کا آخری گھونٹ حلق سے اتار کر وہ بولی — اب میں جاؤں؟ پاگل ہوئی ہے کیا باہر کرفیو لگا ہے۔ جائے گی تو پولیس پکڑے گی۔

لیٹ جا۔ کرفیو ختم ہوگا تو میں بتا دوں گا۔

اس نے دل میں سوچا کتنا سندر ہے یہ شخص۔ بھوک کی آگ بجھی تو خمار کی لہروں نے اسے لپیٹ میں لے لیا۔ اور وہ وہیں بے سدھ ہو کر لیٹ گئی ...... رات کے جانے

باقی صفحہ ۵۶ پر



یہ صحیح ہے کہ شفا من جانب اللہ

الحمد للہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعاء و دوا میں بے شمار فوائد رکھے ہیں۔ بعض اوقات جو دکھ درد اور بیماری کا علاج دوا سے نہ ہو سکے اس کا علاج صرف دعاء میں مضمر ہے۔ اعتقاد اور خدا پر بھروسہ لازم ہے۔ کسی قسم کی رنجش، غلط فہمی، بغض، عداوت، شادی بیاہ تجارت، امتحان، مقدمات میں کامیابی، کشائش رزق، ملازمت، پرانا ناکام مریض جو آسیب میں مبتلا ہو، انشاء اللہ دور ہوگا اور بحکم خدا سے شفا مطلق پائے گا۔ دیگر زن و شوہر میں رنجش و کدورت اور عورت کا ہمیشہ کیلئے اسقاط حمل کو روکنا اور اولاد نرینہ کا پیدا ہونا یہ بھی اللہ کا فضل و کرم ہے۔ غیر مسلم بھائی بہن بھی اس کلام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

بذات خود ملیں یا فون پر بات کریں۔ الحاج ابن حسن صدیقی۔ فون نمبر (416) 274-6495

1535 LAKE SHORE ROAD EAST. APT # 1803 MISSISSAUGA.

بس پاس کی بجائے عید کارڈ

کافی عرصے پہلے میں اسلامیہ کالج کی طالبہ تھی۔ ایک دن کالج سے واپس گھر جانے کے لئے جب میں بس میں سوار ہوئی تو خلاف معمول بس میں مجھے خالی سیٹ مل گئی۔ میں بڑے مزے سے بیٹھ کر مال کی ٹریفک دیکھنے لگی۔ اتنے میں کنڈکٹر کی آواز آئی۔ "بی بی ٹکٹ پلیز"۔ میں نے اپنی گود میں پڑی ہوئی کتاب میں سے پاس نکالا اور کنڈکٹر کی طرف بڑھا دیا اور پھر باہر دیکھنے لگی۔ جب کافی دیر تک کنڈکٹر نے پاس نہ پکڑا تو مجھے سخت غصہ آیا۔ میں نے کنڈکٹر کو کہا "پاس کیوں نہیں دیکھتے"؟ یہ کہتے ہوئے میری نظر اپنے ہاتھ پر پڑی تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ کیونکہ میں کنڈکٹر کو پاس کی بجائے عید کارڈ دکھا رہی تھی جو میری ایک سہیلی نے مجھے کالج میں دیا تھا اور میں نے کتاب میں رکھ لیا تھا۔ کنڈکٹر اور بس میں بیٹھے ہوئے بڑی حیرانی سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

(نامرہ)

ادیب جسے ۲۱ سال تک انگریزی نہیں آتی تھی مگر وہ انگریزی زبان کا ایک عمدہ ادیب تھا

مشہور عالم ادیب جوزف کونریڈ روس میں پیدا ہوا۔ پولینڈ میں پڑھا۔ ۲۱ سال تک اسے انگریزی نہیں آتی تھی لیکن وہ انگریزی زبان کا ایک عمدہ ادیب تھا۔

ماڈلنگ کا معاوضہ ایک کروڑ روپے

یہ ایک لڑکی مارگاکس ہیمنگوے کی کہانی ہے۔ وہ بڑی حسین تھی اور امریکہ کے ایک قصبے کیچم میں رہا کرتی تھی۔ اس کے دادا اپنے زمانہ کے مشہور ادیب تھے۔ آپ نے ان کا نام سنا ہوگا۔ ارنسٹ ہیمنگوے۔ مارگاکس کی بچپن ہی سے یہ خواہش تھی کہ وہ ماڈل گرل بن کر نام پیدا کرے۔ اسی خواہش کو دل میں لئے وہ ایک روز نیویارک منتقل ہوگئی جہاں اس کی ملاقات ایک امیرزادے ایرل ڈیلنیس سے ہوئی۔ دونوں میں عہد و پیمان ہوئے اور انہوں نے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اسی زمانے میں مارگاکس کی تصویریں ماڈل کی حیثیت سے ووگ (VOG) اور ٹاؤن کنٹری جیسے مشہور رسالوں میں شائع ہونا شروع ہوئیں۔

زندگی یونہی گذر رہی تھی کہ گذشتہ دنوں مارگاکس کو ایک ایسے ماڈلنگ اسائنمنٹ کی پیشکش ہوئی کہ اتنی بڑی پیشکش کا اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ FABERGE دنیا کا ایک مشہور ترین پرفیوم ہے۔ یہ پرفیوم بنانے والی کمپنی نے مارگاکس کو یہ پیشکش کی کہ وہ ان کے ایک نئے پرفیوم کے لئے ماڈلنگ کریں اور انہیں اس کے عوض ایک کروڑ روپے ادا کئے جائیں گے۔ اندازہ ہے کہ آج تک کسی ماڈل کو ماڈلنگ کا اتنا بڑا معاوضہ نہیں ملا۔ مارگاکس نے یہ پیشکش قبول کر لی ہے اور اس طرح وہ دنیا کی سب سے مہنگی ماڈل بن گئی ہیں۔

بعد انسانہ فرشتہ

کسی پہر اس کی آنکھیں اس طرح کھلیں جیسے ابھی ابل پڑیں گی وہ کسمسائی۔ مگر بدن حرکت نہ کر سکا۔ اسے لگا جیسے وہ کسی پہاڑ کے نیچے لیٹی ہے۔ یا اذیتوں کی پاتال ہے۔ جس میں اس کا پورا وجود دھنس کر رہ گیا ہے۔ اور کوئی آہستہ آہستہ اس کے بدن کو نوچ رہا تھا۔ تاریکی کا کوئی بھوت تھا جو اس کے بدن سے بری طرح چمٹا ہوا تھا۔ اس کی کھلی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ صبح سے کچھ دیر پہلے اذان کی آواز ابھری۔ اب وہ تنہا تھی اور اسے الگ رہا تھا۔ جیسے پورا بدن برف کی سِل بن گیا ہے۔ سرہانے کے قریب سے اس نے اپنے مسلے ہوئے شکستہ کپڑے اٹھا کر پہنے اور ڈولتے قدموں باہر آگئی۔ فضا میں صبح کا دھندلا اجالا پھیل چکا تھا۔ میدانی حصہ عبور کرکے جب وہ بیرونی دروازے تک آئی۔ اس نے دیکھا دروازے کے بائیں جانب کچھ دور پرے پولیس کے درجنوں جوان قطار بنائے کھڑے ہیں۔ اور وہی ۔۔۔ وہی بھیڑیا اور فرشتہ نما شخص اپنے جسم پر پولیس کے افسروں والی وردی سجائے جوانوں سے خطاب کر رہا ہے۔

وہ دوسرا قدم بڑھا کر دروازہ پار کر گئی۔ یہ شہر کا سب سے بڑا پولیس اسٹیشن تھا جس کے اندر پولیس والوں سے ان کا افسر خطاب کر رہا تھا۔

"جان، مال اور آبرو کی حفاظت ہمارا فرض بھی ہے اور ایمان بھی ۔۔۔ اگر اس فرض کے لئے ہمیں جان کی قربانی بھی دینا پڑی تو ہم دریغ نہیں کریں گے"۔

بقیہ: صفحہ اوّل سے آگے

میں از حد اضافہ ہوگا۔ اور متحدہ محاذ کے لئے بھی محاذ آرائی کا کوئی بہانہ نہیں رہے گا۔

ایک اور اہم واقعہ جناب آغا شاہی کا استعفیٰ ہے جس پر کما حقہٗ تبصرہ کرنے کے لئے ایک اور صحبت کی فرصت درکار ہے۔ ادھر اساتذہ اور پروفیسر صاحبان ہڑتال کرنے پر اتر آئے ہیں۔ قرآن کریم کی بے حرمتی کے خلاف احتجاجات جاری ہیں جس میں اخوان المسلمین پر کئے گئے شام کے مظالم کی مذمت نے شعوری طور پر راہ پالی ہے کیونکہ ان احتجاجات میں جماعت اسلامی اور جمعیت طلبہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان کے شام سے پہلے ہی جہاز کے اغوا کئے جانے کے واقعہ کے بعد سے تعلقات کشیدہ ہیں لیکن سب سے بڑا درد سر تو اندرونی حالات کی اصلاح ہے جن کی تندہی اور تیزی کے بارے میں مندرجہ بالا سطور میں مختصر طور پر عرض کر دیا گیا ہے اور جس کا حل صرف ارباب اقتدار کے تدبر، فہم اور فراست میں مضمر ہے۔

غزل

وہی رستہ وہی صحرا ہے وہی بحر ہوں میں
جس کو منزل نہ ملی ایسا مسافر ہوں میں

مت کنارے پہ مجھے لانے کی کوشش کرنا
میں چلا جاؤں گا اب لمحۂ آخر ہوں میں

اپنی حسرت کو لئے دل میں چلا جاتا ہوں
ایک اپنے ہی غمِ دل پہ تو قادر ہوں میں

— جانی بلٹ

حیوانات ... نر و مادہ کی خصوصیت ...

... وہ جانور اپنی حیوانی زندگی کے ابتدائی حصے میں نر اور بعد میں مادہ ہو جاتا ہے۔

فرانسیسی حکمران جس نے جعلی کرنسی چھاپ کر روس پر حملہ کرنے کے لئے اسلحہ خریدا

آپ یقیناً یہ سن کر حیران ہوں گے کہ فرانس کے حکمران نپولین بوناپارٹ نے اپنے قائم کردہ پرنٹنگ پریس میں چھپی ہوئی جعلی کرنسی سے روس پر حملہ کرنے کے لئے اسلحہ خریدا تھا۔

وہ صرف پندرہ منٹ بادشاہ رہا اس لئے اس کا دور حکومت دنیا بھر میں سب سے کم مانا جاتا ہے۔

آپ نے کئی مرتبہ یہ قصہ یقیناً پڑھا ہوگا جو صرف ایک دن کے لئے برصغیر کا بادشاہ رہا لیکن ... ہم فرانس کا ایک ایسا بادشاہ گزرا ہے ... جو صرف پندرہ منٹ بادشاہ ... اس بادشاہ کا دور حکومت دنیا بھر میں سب سے کم مانا جاتا ہے۔

اصلی قیمت

ایک بادشاہ حمام کو گیا۔ ایک دیوانہ بھی وہاں آگیا۔ بادشاہ نے مذاق کے طور پر اس دیوانے سے پوچھا ذرا میری قیمت تو بتاؤ؟

دیوانے نے کہا "پچاس روپے"

بادشاہ نے کہا "پچاس روپے کی تو صرف میری لنگی ہے"

دیوانہ ہنس کر بولا "میں نے بھی تو پچاس لنگی کی وجہ سے ہی کہا تھا۔ تو سمجھتا ہے اس لنگی کو الگ کرکے بھی تیری کوئی قیمت ہے؟"

مریض (ڈاکٹر سے) میں آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں کہ آپ نے میری جان بچائی۔
ڈاکٹر: میں جان بچانے والا کون ہوں جان تو خدا بچاتا ہے اسی کا شکر کرو۔
مریض: بہت بہتر تو پھر فیس کی رقم بھی اسی کو ادا کروں گا۔